اردو شاعری کی مُسَلَّم تلمیحات اور غالب کا ظریفانہ رویہ

THE ESTABLISHED HISTORICAL PERSPECTIVES OF URDU POETRY AND GHALIB'S ELEGANT ATTITUDE

محمد اللہ دتہ* / ڈاکٹر طارق ہاشمی**

Abstract:

A unique aspect of satire and humor in Ghalib's poetry is that he negates the established truths with his comic attitude. In Urdu poetry, in the allusions in which some accepted facts had been present for centuries in the form of a riddle, Ghalib while giving his subtlety to them, negated them. Subject, whether it was the will of God or the methods of religions, whether it was the topic of heaven or hell, whether it was the fate of moses or the messiahship of the son of Mary, whether it was the guidance of Khidr or the greatness of angels, Ghalib does not shy away from brining humorous aspects of every subject. He has always understood some point of satire and irony.

KeyWords: Ghalib, Satire, Humour, Allusions, Negates, Irony, Religions.

غالب کے کلام میں طنز و ظرافت کا ایک منفرد پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ظریفانہ رویے سے مسلمات کی نفی کرتے ہیں۔ اردو شاعری میں وہ جملہ تلمیحات جن میں بعض تسلیم شدہ حقائق صدیوں سے ایک روایت کی صورت میں موجود تھے، موضوع مشیت ایزدی ہو یا مذاہب کے طور طریقوں کا، جنت کا ہو یا دوزخ کا، موسیٰ کے کوہِ

* ریسرچ اسکالر، پی ایچ ڈی اُردو، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

** پرنسپل اورینٹل کالج، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد Correspondence: drtariqhashmi@gcuf.edu.pk

طور کا تذکرہ ہو یا ابنِ مریم کی مسیحائی کا، خضر کی رہنمائی کی بات ہو یا ملائکہ کی عظمت کا مضمون، غالب ہر موضوع کے ظریفانہ پہلو سامنے لانے سے نہیں چوکتے اور بذلہ سنجی کا کوئی نہ کوئی نکتہ انہیں سوجھ ہی جاتا ہے۔

وہ لفظوں سے تصویر کشی کرتے ہوئے اس میں شوخی و ظرافت کے رنگ بھرتے چلے جاتے ہیں۔ زیرِلب خود مسکراتے ہیں اور دوسروں کو ہنساتے ہوئے اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ان کی خوش طبعی میں اپنائیت کا احساس ہے ان کے طنز میں تلخی نہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ان کی ظرافت کے نئے زاویے سامنے لاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ”اگرچہ سوداؔ، انشاء اور اکبرؔ کے سے شاعر اردو میں پیدا ہوئے جن کی بنیاد ہی شوخی اور شگفتگی پر ہے لیکن غالب میں جو بات تھی وہ ان شعرا میں بھی نہیں ہے غالب کی طبیعت میں جو رچاؤ اور ان کے مزاج میں جو پرکاری تھی اس سے سود، انشاء اور اکبر محروم تھے۔“(۱)

غالب اپنی انا اور خودی کو ہر جگہ مقدم رکھتا ہے۔ وہ زندگی میں کسی کا اپنے اوپر احسان جتانا گوارا نہیں کرتا وہ بحیثیت انسان خود کو تمام صلاحیتوں کا حامل سمجھتا ہے وہ اپنی صلاحیت واستعداد پر بھروسہ کرنے کا درس دیتا ہے دوسروں کی پیروی کرنا خلافِ شان سمجھتا ہے، چاہے وہ حضرت خضر کی ذات ہی کیوں نہ ہو۔ اسی حوالے سے غالب کا شوخ لہجہ ملاحظہ ہو:

لازم نہیں کہ خضرؑ کی ہم پیروی کریں
جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے(۲)

قدیم رسومات، توہمات، عقائد اور مذہبی روایات کے سلسلے میں بھی غالب بے باک اور ظریفانہ انداز اختیار کرنے سے باز نہیں آتے۔ وہ خود ساختہ بنائی ہوئی (Myths) کے بت شکن ہیں۔ مذہبی امور کے حوالے سے شیخ و ملا پر تو طعن و تشنیع کی اردو ادب میں یہ روایت چلتی نظر آتی ہے مگر غالب کا طنز اور بے باک انداز جس حد تک بلند وارفع ہے اس کی نظیر کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ غالب کی شوخ بیانی بارگاہ انبیاء میں بھی برقرار رہتی ہے لیکن وہ اس شوخ انداز اور طنز کو اس خوبصورت پیرائے میں کہہ جاتے ہیں کہ بے ادبی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ حضرت آدمؑ کے حوالے سے شوخی سے لبریز اشعار دیکھیے:

نہ کھاتے گیہوں، نکلتے نہ خلد سے باہر
جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی(۳)

غالب کا طنز ان کی طبع ظریف اور شوخ مزاج کا نتیجہ ہے۔ غالب کا انبیاء اور برگزیدہ ہستیوں کے حوالے سے طنز کا عموماً وہ رنگ نظر آتا ہے۔ جسے رشک آمیز طنز کہا جا سکتا ہے۔ وہ حضرت خضرؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے جو بے باک انداز اختیار کرتا ہے اور طنز کرتا ہے۔ اس میں بھی ان کی اپنی باطنی انا کی تسکین ہے۔ ایک مقام پر حضرت موسیٰؑ کے دیدار الٰہی سے محروم رہنے پر یوں طنز کرتے ہیں کہ لازم نہیں وہ دیدار سے محروم رہے تو ہر شخص محروم رہے گا لہٰذا کوہِ طور پر ہم بھی جا کر اپنی تمنا عرض کرتے ہیں:

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی(۴)

پیراہن یوسف کی تلمیح اردو میں کئی شعرا نے برتی ہو گی لیکن غالب اس میں بھی ظریفانہ پہلو تلاش کر کے اپنی شگفتہ مزاجی کی بدولت پر لطف تشکیک پیدا کر لیتے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کے صبر و استقامت کے امتحان کے حوالے سے غالب کے اشعار کے تیور دیکھیے:

نسیمِ مصر کو کیا پیر کنعاں کی ہوا خواہی
اُسے یوسف کی بُوئے پیرہن کی آزمائش ہے(۵)

یعنی مصر کی ہوا یوسفؑ کی قمیص کی خوشبو حضرت یعقوبؑ تک ان سے ہمدردی کی وجہ سے نہیں لائی بلکہ وہ تو اس خوشبو کی تاثیر آزمانا چاہتی تھی غالب نے اس پر شک کا اظہار کر کے خوب مزاح پیدا کرنے کی کامیاب اور دلچسپ سعی کی ہے پھر ایک دوسری جگہ پر اپنے دِل افسردہ کو یوسفؑ کے زنداں سے تشبیہ دے کر ظریفانہ اسلوب میں اپنے مغموم قلب کا طنزیہ نوحہ پیش کرتے ہیں:

ہنوز اک پر تو نقشِ خیالِ یار باقی ہے
دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا(۶)

چونکہ حسن اپنی آرائش سے غافل نہیں ہوتا لہٰذا غالب حسنِ یوسفؑ کی تعریف بھی اس یوں پر لطف اور شگفتہ بیانی سے کرتے ہیں کہ اس میں لطیف طنز کا شائبہ بھی معلوم ہوتا ہے:

نہ چھوڑی حضرت یوسفؑ نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر(۷)

یوسف کے والد محترم کی اپنے فرزند سے بے پناہ محبت اور ان کے فراق میں اپنی آنکھوں کو بے نور کرنے کے ضمن میں غالب یہ کہہ کر کہ، قید میں یعقوب نے لی، گو نہ یوسف کی خبر، باپ کی اپنے لاڈلے بیٹے سے اس خاص الفت پر بھی طنز کرنے سے باز نہیں آتے:

قید میں یعقوب نے لی، گو، نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں (۸)

غالب کے کلام سے لطف کشید کرنا اتنا آسان اور سیدھا نہیں ہے کیونکہ ان کا مزاح تہہ در تہہ پہلو رکھتا ہے کہیں محض طنز ہے کہیں طنز و ظرافت کی بیک وقت آمیزش نظر آتی ہے۔ حضرت خضرؑ کی پیروی اور راہنمائی لینے سے انکار کر کے غالب جہاں اپنی شخصیت کے تناؤ کا اظہار کرتا ہے وہاں ہی وہ ماحول میں خود کو جب بے بس محسوس کرتا ہے تو اپنے کردار کی انا کی تسکین اس حربے سے کرنا چاہتا ہے۔ انا کے ساتھ شوخی کا اظہار یہ بھی ہے کہ خضرؑ کی راہنمائی لینے سے انکار کا جواز پیدا کرنے کے لیے 'سکندر بادشاہ کے آبِ حیات' والا قصہ بیان کر کے اپنا مقدمہ درست ثابت کرنے کی اخلاقی جرات کرتا ہے:

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی (۹)

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے (۱۰)

حضرت خضرؑ کا یہ اعزاز ہے کہ ان کو عمر جاودانی حاصل ہے لیکن ان کو یہ لافانی عمر پوشیدہ رہنے اور لوگوں سے مخفی رہنے سے سبب حاصل ہے جو کہ غالب کے نزدیک یہ کوئی خوبی نہیں لہٰذا وہ اپنی شوخی و ظرافت کا اظہار کرتے ہوئے اپنی عمر فانی کو ان کی حیاتِ جاودانی پر ترجیح دیتے ہیں کہ اصل زندگی کا مزا جاودانی پر ترجیح دیتے ہیں کہ اصل زندگی کا لطف تو ہمیں حاصل ہے جو لوگوں سے ملتے ہیں خضرؑ تو لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں ایسی لمبی اور طویل زندگی کا کیا حاصل جب لوگوں سے ملنا ملانا ہی نہیں۔ اس شعر کا تیکھا پہلو ملاحظہ ہو:

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضرؑ
نہ تم، کہ چور بنے عمر جاوداں کے لیے (۱۱)

اُردو شاعری میں مسیحا اور مسیح کی تراکیب تو موجود تھیں۔ لیکن 'ابنِ مریم' کی ترکیب غالب سے پہلے اردو شاعری میں یوں استعمال نہیں کی گئی تھی۔ کیونکہ غالب کے زمانے میں نو آبادیاتی نظام اپنے پنجے گاڑنے کے آخری مراحل میں تھا۔ اور غالب نے مغلوں کو تخت پر تو دیکھا مگر حکومت کرتے ویسے نہیں دیکھا جیسے انگریزوں کو دیکھا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ غالب وہ پہلا اردو کا شاعر ہے جس کے ہاں مسیحی اصطلاحات اپنے پورے مسیحی مفہوم کے ساتھ استعمال ہوئی ہیں۔ یہ چیز غالب کی پختہ فکر اور ماحول کے عمیق مشاہدے کی بدولت ہے جو اس کو بڑا شاعر بناتی ہے۔ ایسے حالات میں جب سامراج ظلم بپا کیے ہوئے تھا غالب تب بھی ظریفانہ پہلو نکالتے ہوئے، 'ابن مریم' (حضرت عیسیٰؑ) کو مسیحائی کے لیے پکار کر شعر کو پُر لطف اور پر تاثیر بنا دیتے ہیں۔ وہ مطالبہ کرتے ہیں ابن مریمؑ سے بیمار شفا پاتے ہیں لیکن میں تو تب مانوں گا اگر میرے دکھوں کی کوئی دوا تجویز کرے۔ شعر اگرچہ سادہ ہے مگر اس میں چوٹ بہت گہری کی گئی ہے۔ اس سے لطیف طنز اور خواہش کی مثال اردو ادب میں ملنا محال ہے:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی(۱۲)

ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ جو لوگ محبوب کے لبوں سے ادا ہونے والے الفاظ سے مرتے ہیں وہ ایسی درد بھری نیند سوتے ہیں کہ جناب عیسیٰؑ بھی اگر ان کے واسطے قم باذن اللہ کہنے کے لیے اپنے ہونٹوں کو جنبش دیں تو سونے والوں کی نیند مزید گہری ہو جاتی ہے طنز کا انداز دیکھیے:

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتۂ لعلِ بتاں کا خوابِ سنگیں ہے(۱۳)

ایک اور شوخی سے لبریز شعر میں دمِ عیسیٰ کو اپنی موت کا سبب قرار دیتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ نے مجھ ناتواں کو صحت عطا کرنے کے لیے اپنے لبوں کو حرکت دی تو میں بوجہ ضعف ان کے دم کا سامنا نہیں کر پایا اور دم سے پہلے ہی میری روح پرواز کر گئی۔ یہ ہی وہ غالب کا خالص مزاح اور ظرافت ہے کہ وہ برگزیدہ ہستیاں، انبیاء، ملائکہ حتیٰ کہ خدا کے سامنے بھی اپنا مزاج بدلنے کو تیار نہیں۔ شعر دیکھیے:

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالبؔ
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا(۱۴)

انبیاء کرام اور برگزیدہ ہستیوں کے ساتھ بے باک اور طنزیہ اسلوب اپنانے کے بعد غالب کا قلم یہاں ہی نہیں رکتا بلکہ وہ فرشتوں کے ناحق لکھے کا شکوہ بھی زبان پر لے آتا ہے اور نکیرین کے سوالات پر بھی برہم نظر

آتا ہے اور اس عمل کو اللہ کے خلیفے (انسان) کی عظمت کے خلاف سمجھتے ہوئے شوخی اور طنز اظہار کرتا ہے۔ غالب کا ماننا ہے کہ فرشتے اعمال تو لکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ جذبات سے پاک مخلوق ہے لہٰذا وہ عمل کے پیچھے کارفرما جذبے کو سمجھنے سے قاصر ہیں اس لیے صرف ان کے ناحق لکھے پر پکڑنا درست نہیں۔ کیونکہ غالب کے بقول فرشتے انسان کی فطرت کی پیچیدگیوں کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ انسان رب لم یزل کی تمام تخلیقات میں سے شاہکار ہے اور اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ لہٰذا انسان کے جرم و خطا پر فرشتوں کی گواہی کی بجائے انسانی شہادت کو فوقیت دی جائے۔ اشعار میں غالب کے تیور دیکھیے کہ کس مہارت سے انہوں نے ناحق لفظ کو موزوں کر کے انہوں نے نہ صرف اس فیصلے کو مشکوک بنا دیا ہے بلکہ اس حکم نامے کو ظریفانہ لہجے میں ماننے سے انکار کرنے کی جرات بھی کی ہے:

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا؟(۱۵)

پھر ایک اور مقام پر مرزا غالب قبر میں سوالات کے لیے آنے والے فرشتوں منکر، نکیر پر استہزہ کرتے ہیں اور ایک عجیب و غریب تدبیر سوچ لیتے ہیں کہ فرشتوں کے سوالات سے بچنے کے لیے رات کو شراب پی کر مروں گا چونکہ وہ پاکیزہ فرشتے شراب وغیرہ سے نفرت کرتے ہوں گے اور میرے منہ سے آنے والی مے کی بو سے بیزاری محسوس کریں گے لہٰذا میرا حساب و کتاب کیے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ حسنِ تعلیل اور خالص مزاح کی خوبصورت عکاسی دیکھیے:

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے(۱۶)

غالب کے کلام میں یہ طنز و ظرافت کا سیلاب کسبی نہیں ہے وہبی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں آورد کو دخل نہیں یہ محض ان کی طبع ظریف کی بدولت ہے کہ ہر مظاہر فطرت پر ان کی حسِ مزاح پھڑک اٹھتی ہے اور وہ اپنی بات کہتے چلے جاتے ہیں۔ پھر موضوع کوئی بھی ہو ان کا طنز کا نشتر سب کے لیے یکساں چلتا محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی سی شوخی کسی اور کے ہاں ملنا ناممکن سا نظر آتا ہے۔ محمد موسیٰ کلیم غالب کی شاعری میں بیان شوخی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مرزا غالب کی شوخیِ اظہار کا یہ عالم ہے کہ یاس و حرمان کے بوجھ تلے دب جانے والے جذبات بھی زندہ و متحرک رہتے ہیں اس میں شک نہیں کہ مرزا غالب کے نغمے میں ایک انبساطی لَے پائی جاتی ہے اور وہ نتیجہ ہے ان کی بشریت سے محبت کا۔"(۱۷)

کلامِ غالب میں فلسفیانہ تصورات، تجسس و حیرت کا عنصر، مسائل تصوف کا بیان پہلو داری اسلوب تو توجہ کا طالب ہے ہی مگر اصل چیز ان کے اشعار کی زیریں سطح، بین السطور مزاح اور بالائی پرت میں چھپی ظرافت کا ادراک کرنا ہے جو خاطر خواہ توجہ کی متقاضی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب مذہبی شخصیات واعظ، شیخ، ناصح اور زاہد جنہیں لوگ کم از کم غالب کے زمانے میں بڑی عزت کے لائق اور مقدس سمجھتے تھے لیکن غالب نے ایسے لوگوں میں موجود منافق، مفاد پرست اور لالچی لوگ جو ظاہری طور پر تو اس مقدس مسند پر براجمان ہو جاتے ہیں مگر ان کے باطن میں غلاظت اور دنیاوی حرص ہوتی ہے۔ ان پر خوب طنز کرتے ہیں اور واعظ کو خوب آڑے ہاتھوں لیتے دکھائی دیتے ہیں:

کہاں مے خانے کا دروازہ غالب! اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے (۱۸)

پھر ایک اور جگہ زاہد کو مخاطب کر کے شراب کی افضلیت ثابت کرنے کے لیے شہد کو مگس کی قے کہہ کر طنز کرتے ہیں:

کیوں ردِ قدح کرے ہے زاہد!
مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے (۱۹)

ارکانِ اسلام میں روزہ اہم رکن ہے۔ مگر غالب اس عبادت کو صاحبِ ثروت اور ایسے لوگ جو سارا سال اللہ کی نعمتوں سے خوب لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں ان پر فرض سمجھتے ہیں اور مفلس و ناچار لوگ جو سارا سال پیٹ کی بھوک مٹانے کے لیے دربدر ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے یہ ایک مہینہ کے روزے کیا معنٰی رکھتے ہیں وہ تو سارا سال ہی روزے میں گزارتے ہیں۔ بعض خطوط غالب سے یہ امر بھی سامنے آتا ہے کہ غالب خود بھی روزہ نہیں رکھتے تھے۔ روزہ کے حوالے سے ایک قطعہ میں ظریفانہ رنگ میں کہتے ہیں:

افطارِ صوم کی جسے کچھ دستگاہ ہو
اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے؟ (۲۰)

مذہبی شخصیات، انبیاء کرام، ملائکہ اور مذہبی امور کے بعد یہ خوش باش، شوخ فطرت اور بیدار دماغ کا مالک انسان جنت و دوزخ کے فلسفے پر لطافت و ظرافت کے سروں میں اپنے تجزیے پیش کرنے لگتا ہے۔ جنت اللہ کی

طرف سے انعام، آرام و سکون کی جگہ ہے جبکہ دوزخ سزا، ہولناک اور عبرت پکڑنے کا مقام ہے۔ لیکن غالب اپنے عارفانہ مشاہدوں کی بدولت اسے تفریح کی جگہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ ان کی یہ حسِ ظرافت اور بات بات پر طنز کرنا بڑی حد تک معاشرتی، تہذیبی اور نو آبادیاتی ماحول کی بھی پیدا کردہ ہے۔ جس میں انہوں نے شعور سنبھالا۔ غالب نے مغلوں کی کئی صدیوں سے رچی ہوئی تہذیب کے انحطاط والے دور کو قریب سے دیکھا اور محسوس کیا۔ اس زمانے کے نیم مذہبی اور نیم سیاسی لوگوں اور تحریکوں کو دیکھا۔ یوں غالب کی شخصیت اور ان کے کلام میں جو شوخی اور طنز وظرافت کے رنگ نمایاں دکھائی دیتے ہیں اس کے پس پردہ اس سماجی قدروں اور زمانے کے حالات و تجربات کا بڑا اہم کردار ہے۔ کہیں وہ عیسائیت مذہب کی اصطلاحات کو ان کے مسیحی مفہوم کے ساتھ پیش کرتے ہوئے اس وقت کے سماجی و معاشرتی مسائل کی منظر کشی کرتے ہیں تو کسی مقام پر کعبے سے بتوں کی پرانی نسبت یاد کروا کر بین المذاہب ہم آہنگی کی خواہش کرتے دکھائی دیتے ہیں:

ایماں مجھے روکے ہے، جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے (۲۱)

گو واں نہیں، پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی (۲۲)

غالب کے مزاح کا ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ وہ لفظی شوخی اور معنوی شوخی دونوں میدانوں کے شہسوار ہیں۔ حاضر جوابی و بذلہ سنجی غالب کی افتادِ مزاج کا جزو تھی۔ اس لیے ان کو مزاح پیدا کرنے کے لیے امثال کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔ ان کو بات کرتے یا سنتے ہی کوئی نکتہ یا پہلو سوجھ جاتا ہے اور وہ بات کو لفظی طور پر یا معنوی طور پر پلٹ کر نیا مفہوم کچھ اس طرح قائم کر دیتے ہیں کہ اس میں خاص لطف اور شوخی اور انبساط کا پہلو نکل آتا ہے۔ شک کا رجحان ایک نفسیاتی مزاج ہے جو فطرت انسانی میں تین طرح سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایقان کی نفی، حسد کی صورت میں اور تیسری صورت رشک ہے۔ غالب کی فطرت میں شک کا مادہ بھی تھا اور رشک کا بھی۔ ان کا شک کا مادہ بھی رشک کے جذبات کی افزائش کا سبب بنتا ہے۔ جنت کے بارے میں ایک اہل ایمان کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ ایک فرحت و انبساط کا مقام ہے جہاں نیک انسانوں کی روحوں کو جزا کے طور پر دائمی سکونت دی جائے گی مگر غالب ایک آزاد فکر آدمی ہے اور وہ ہر چیز کے بارے متجسس بھی نظر آتا ہے لہٰذا جنت کی حقیقت کے بارے غالب مسلمہ روایت پر شک و شبہ کا اظہار کر کے خود کی معلوم کردہ حقیقت کا کھل کے بیان کر دیتے ہیں تو کہیں جنت و دوزخ کو ملا

کر سیر گاہ کی وسعت کے خواہاں ہیں اور کہیں دنیاوی زندگی کے بدلے جنت دینے کو گھاٹے کا سودا کہہ گزرتے ہیں۔ جنت و دوزخ کے حوالے سے غالب کے یہ محاکاتی اشعار محض شوخی و مزاح ہی نہیں بلکہ ان کی ذہنی کیفیت کی عکاسی بھی کرتے ہیں:

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کا غالب یہ خیال اچھا ہے[۲۳]

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی[۲۴]

ایک اور غزل میں جنت جانے کی آرزو محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہاں ارفع قسم کی خوشبودار شراب پیش کی جائے گی شعر میں اظہارِ ذوقِ مے نوشی کا شوخ لہجہ ملاحظہ کیجیے:

وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفامِ مشکبو کیا ہے[۲۵]

دوسری طرف بے خودی کا یہ عالم ہے کہ غالب جنت کو اپنے لیے ایسا گلدستہ سمجھتے ہیں جو طاق پر رکھ کر انسان بھول جائے۔ اس شعر میں جنت کو گلدستہ طاق نسیاں سے تشبیہ دے کر انہوں نے جو اپنی بے نیازی کا برملا اظہار کیا ہے وہ کمال شوخی کا نمونہ ہے:

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا[۲۶]

غالب کی شاعری میں بعض اشعار اگرچہ ظاہری طور پر سنجیدہ ہیں لیکن ان کے بھی باطن میں طنز و مزاح کا رنگ موجود ہے یوں بین السطور مزاح بھی غالب کے ہاں دیکھائی دیتا ہے جو غدر کے بعد کے حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ جن معاملات پر غالب کھل کر طنز نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے سنجیدہ اسلوب میں وہ باتیں غیر محسوس طریقے سے کی ہیں جن سے ادب کا قاری ہی مزاح کے پہلو کشید کر سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، غالب اور مطالعہ غالب، دلی: سکسینہ پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۷۰ء، ص ۲۴۲

۲۔ اسد اللہ خاں غالب، مرزا، دیوانِ غالب (اُردو) مرتبہ: حامد علی خاں، ص ۱۴۰

۳۔ ایضاً، ص ۲۲۵

۴۔ ایضاً، ص ۱۹۷

۵۔ ایضاً، ص ۱۷۸

۶۔ ایضاً، ص ۲۱

۷۔ ایضاً، ص ۶۲

۸۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۹۔ ایضاً، ص ۱۸۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۴۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۰۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۸۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۹۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۳

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۴۴

۱۷۔ تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان وہند (جلد سوم)، مشمولہ: موسیٰ کلیم، مرزا اسد اللہ خاں غالب، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۵

۱۸۔ اسد اللہ خاں غالب، مرزا، دیوانِ غالب (اُردو) مرتبہ: حامد علی خاں، ص ۱۹۰

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۷۲

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۳۰

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۸۲

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۹۷

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۵۴

۲۴۔ اسد اللہ خاں غالب، مرزا، دیوانِ غالب جدید (المعروف بہ نسخہ حمیدیہ)، مرتبہ: محمد انوار الحق، بھوپال: مدھیہ پردیش اردو اکادمی، ۱۹۲۱ء، ص ۴۳۳

۲۵۔ اسد اللہ خاں غالب، مرزا، دیوانِ غالب (اُردو) مرتبہ: حامد علی خاں، ص ۱۵۸

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۱